جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب
مدیر عالی ادارہ تسہیل الحسابات الاسلامیہ

جاوید احمد غامدی صاحب کا علم میراث میں تجدیدی کارنامہ

جاوید احمد غامدی ایک ذہین سکالر ہیں۔ برسوں فراہی مکتب فکر کے مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد رہے ہیں اور ان ہی کے فکر کے داعی ہیں۔ میری معلومات مولانا کے بارے میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں، صرف اتنا معلوم ہے کہ کسی وقت جماعت اسلامی کے بانی ارکان میں سے تھے اور بعد میں مودودی صاحب سے اختلافات کے پیش نظر جماعت کو چھوڑ گئے۔ ان ہی کے مکتب فکر کے جناب ڈاکٹر فاروق صاحب کو میں اپنے زمانہ طالبعلمی سے جانتا ہوں انہوں نے ایک ملاقات میں مجھے میراث کے موضوع کا طالب علم سمجھ کر جاوید احمد غامدی کی تازہ کتاب "قانون معیشت" مطالعہ کیلئے عنایت فرمائی۔ میں نے اس کتاب کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا لیکن میری حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ موصوف نے میراث کے مذاہب اربعہ کے اجمالی طریقوں سے ہٹ کر طریقے بیان کیے۔ میں شذوذپسندی سے ویسے بھی الرجک ہوں اور امت میں کسی بات پر انتشار ڈالنے کو ایک قبیح حرکت تصور کرتا ہوں، اس لئے ساری کتاب دوبارہ میں نے محتاط انداز سے پڑھی۔ اس میں موصوف نے امام جصاص ؒ کے حوالے سے بھی اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں جناب غامدی صاحب کے بارے میں یہ سمجھنے سے ابھی تک قاصر ہوں کہ اتنے ذہین آدمی کو ایسے اجمالی مسئلے کی چھیڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور یہ کہ اس کے ساتھ اسلام کی کونسی خدمت وابستہ ہے؟ مجھے ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ امت کے اجمالی طریقے میں کونسا سقم ہے جس کو وہ دور کرنا چاہتے ہیں۔ بظاہر تو اس میں جذبہ خودنمائی کے علاوہ مجھے اس میں کوئی دوسری چیز نظر نہیں آرہی ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو غامدی صاحب سے میں درخواست کروں گا کہ جذبہ خودنمائی کے لئے کسی اور میدان کا انتخاب فرمائے ورنہ ایمان کے لالے پڑجائے گیں۔ چونکہ میراث کو خلاف واقعہ ایک مشکل علم سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی کتاب پر ابھی تک کوئی تبصرہ بھی نہیں آیا۔ بندہ بھی اس فن کا طالب علم ہے اس کے بارے میں اپنی سمجھ کے مطابق اپنی معلومات کو غامدی صاحب کے سامنے لانا چاہتا ہے ممکن ہے غامدی صاحب کی اس سے تشفی ہوجائے یا کم ازکم دوسرے علمائے کرام کی بھی اس طرف توجہ ہوجائے تو زیادہ بہتر طریقے سے فقہاء کی تحقیق غامدی صاحب کے سامنے

رکھیں۔ غامدی صاحب جیسے محقق سے یہ بات بعید سمجھتا ہوں کہ اگر اس کو اپنی تحقیق میں کوئی غلطی نظر آئی تو وہ حق کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کریں۔ اصل میں بات بہت دور تک جاری ہے کیونکہ فقہاء کی تحقیق کے پیچھے قرآن، سنت اور اجماع ہے اور اس کے خلاف اگر کوئی بات کرنے لگے تو ایمان کا بچانا مشکل ہوجاتا ہے اس لئے بندہ یہ چاہتا ہے کہ غامدی صاحب جیسے ذہین اسلام کے خادم اور سرمایہ رہیں لہذا حق تعالیٰ سے توفیق اور رہنمائی کی دعا کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ چونکہ اس مسلئے کا تعلق قرآن کی تفسیر کے ساتھ ہے اور قرآن کی جو تفسیر محض عربیت کی بنیاد پر ہو اور اس کے پیچھے سنت رسولؐ، اجماع امت یا صحابہ کرامؓ کی تائید نہ ہو تو پھر اسے تفسیر بالرائے کہتے ہیں جس کے بارے میں غامدی صاحب نے ابوداود ونسائی کی شاید یہ حدیث شریف پڑھا ہو: " من تکلم فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطا " یعنی جو شخص قرآن کے معاملے میں محض اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ غامدی صاحب کو ایسی جرات ہو اس لئے اگر صرف غلط فہمی ہو تو شاید یہ چند سطریں ان کے دوجہاں سے زیادہ مفید بن جائیں اور اگر خدانخواستہ معاملہ دوسرا ہو تو پھر اس کے نتائج Consiquences کی تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے فتنے سے بچائے۔ قانون معیشت کے صفحہ نمبر 26 پر سورۃ نساء کی میراث سے متعلقہ آیات کے ترجمہ کے بعد تیسرے پیرگراف میں غامدی صاحب لکھتے ہیں " والدین اور بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ترکے کی وارث میت کی اولاد ہے۔ مرنے والے نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا اور اس کی اولاد میں دو یا دوسے زیادہ لڑکیاں نہ ہوں تو انہیں بچے ہوئے ترکے کا دوتہائی دیاجائے گا۔ ایک ہی لڑکی ہوتو وہ نصف کی حقدار ہوگی۔ میت کی اولاد میں صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ سارا مال ان میں تقسیم کیا جائے گا "۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ میت کی اولاد چاہے نر ہو یا مادہ غامدی صاحب ان کو عصبات سمجھتے ہیں حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر میت کا بیٹا نہ ہو تو میت کی بیٹیاں ذوی الفروض ہوتی ہیں۔ یہ ایک ہوتو اس کو نصف ملتا ہے اور کئی ہوں تو دوتہائی مشترکہ طور پر کل مال میں لیں گی، جیساکہ آیت مبارکہ میں ہے: " فان کن نساء فوق النشنتین فلھن ثلثا مما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف "۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیوں غامدی صاحب کو اپنے اس تحقیق پر اس حدتک اعتماد ہے کہ اس کے مقابلے میں سارے فقہاء کی جو اجماعی تحقیق ہے اس کو بھی سراسر غلط کہہ رہے ہیں اور اس پر دلیل وبرھان قائم کرنے کیلئے ایسی عظیم غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اس کو اگر کوئی علمی خیانت کہہ دیں تو اس کو جواب دینا مشکل ہوگا جیساکہ صفحہ نمبر 61 پر والدین کا

حصہ بیان کرنے کے لئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ کی تفسیر کے طور پر لکھتے ہیں۔

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مماترک " یہ جملہ فان کن نساء فوق اثنتین اور وان کانت واحدۃ پر نہیں بلکہ اس پورے حکم پر عطف ہوا ہے جو اولاد کے لئے بیان ہوا چنانچہ اس میں عطف اب جمع کے لئے نہ ہوگا۔ اسے بہرحال استدراک ہی کیلئے مانا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ للذکر مثل حظ الانثیین میں یہ بات تو بیان ہوئی ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا، لیکن یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعین اس حکم میں نہیں ہے۔ یہ اسی طرح کا اسلوب ہے جس طرح مثال کے طور پر ہم اپنی زبان میں یہ کہیں کہ " یہ روپے بچوں کیلئے ہیں۔ لڑکوں کو لڑکیوں سے دگنا دیجئے اور اس میں سے آدھی رقم آپ کے ابا کے لئے ہے "۔ ان جملوں کو دیکھئے۔ ان سے قائل کا مدعا بالکل واضح ہے۔ جو شخص بھی زبان سے آشنا ہوگا وہ ان سے یہی مطلب سمجھے گا کہ روپے درحقیقت بچوں کے لئے دیے گئے ہیں اس لئے بات اگر پہلے دو جملوں پر ہی تقسیم ہو جاتی تو ساری رقم لڑکوں اور لڑکیوں میں اسی نسبت سے تقسیم کردی جاتی جو ان جملوں میں بیان ہوئی ہے، لیکن قائل نے اس کے بعد چونکہ آدھی رقم ابا کو دینے کے لئے کہا ہے اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ ابا کا حصہ پہلے دیا جائے اور باقی جو کچھ بچے وہ اس کے بعد ان بچوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہمارے فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔ ابوبکر جصاص نے " احکام القرآن " میں لکھا ہے:

" وافادایضاً انہ اذا کان مع الاولادذوسھام نحوالابوین والزوج والزوجۃ، انھم اخذوحظوظھم، کان الباقی بعدالسھام بین الاولاد "

ترجمہ:۔ " اور آیت للذکر مثل حظ الانثیین کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر اولاد کے ساتھ دوسرے وارث مثلاً والدین اور شوہر یا بیوی موجود ہوں تو ان کا حصہ ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ اولاد میں تقسیم کیا جائے گا لیکن ہمارے فقہاء سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے فان کنّ نساء فوق اثنتین کو ولابویہ کی طرح مستقل مانا "۔ اس میں غور طلب یہ بات ہے کہ امام جصاصؒ کی تحریر میں بین الاولاد پر بات ختم کردی حالانکہ ان کی تحریر اس کے بعد یہ ہے " للذکر مثل حظ الانثیین و ذالک لان قولہ تعالیٰ للذکر مثل حظ الانثیین اسم للجنس یشتمل علی القلیل والکثیر منھم فلما اخذوذوالسھام کان الباقی بینھم علی ماکانوا یستحقونہ لو لم یکن ذوسھم " یہاں پر آیت کے پہلے حصے کی تشریح ختم کرنے کے بعد امام جصاصؒ دوسرے حصے کی تشریح شروع فرماتے ہیں۔ حضرت امام جصاصؒ کی تشریح کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک حصہ

الگ الگ بیان کرنے کے بعد پھر مجموعی بات کرتے ہیں اب غامدی صاحب نے یہاں ایک تو للذکر مثل حظ الانثیین کو چھوڑا جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہ صرف اسی حصے کی تشریح ہے نیز اس سے اگلے حصے کی تشریح کو بالکل حذف کر گئے اور مجموعی بات سے صرف نظر کیا دوسرا یہ کہ اسی حصے کو حضرتؒ کی طرف سے مجموعی بات کے طور پر پیش کیا۔ غامدی صاحب کو بھی شاید یہ پتہ ہوگا کہ کسی کی تحریر میں اس طرح کانٹ چھانٹ کی اجازت نہیں ہوا کرتی۔ افسوس تو یہ ہے کہ غامدی صاحب اگر امام جصاصؒ کی تحریر کے چند سطریں اور پڑتے تو اس کو نظر آجاتا کہ حضرت امامؒ دوسرے حصے کی تشریح کے طور پر فرماتے ہیں: " فنص علی نصیب مافوق الابنتین وعلی واحدة ولم ینص علی فرض الابنتین لان فحوی الآیة علی بیان فرضهما " پس امام جصاصؒ تو بیٹیاں اگر دوہوں اور بیٹا نہ ہوں تو ان کو ذوی الفروض قرار دیتے ہیں لیکن غامدی صاحب اس سے ہر قسم کی اولاد کا عصبہ ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت یہ فرماتے کہ فقہاء بھی یہی کہتے ہیں جبکہ اس سے چند سطروں کے فاصلے پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ فقہاء کو غلطی لگی۔ اب موصوف کی کونسی بات مانی جائے۔ غامدی صاحب اس سے بھی ناواقف نہیں ہوں گے کہ قرآن کی جو تفسیر حدیث شریف سے ثابت ہو اس کے مقابلے میں کسی اور کی تفسیر نہیں ٹھہر سکتی تو غامدی صاحب کے لئے حدیث جابر کا ڈھونڈنا شاید مشکل نہیں ہوگا جس میں یہ ارشاد ہے کہ

" جاء ت امراة سعدبن الربیع الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم بابنتیها من سعد فقالت یارسول اللّٰہ هاتان ابنتا سعد بن الربیع قتل ابوهمامعک فی احد شهیدا وان عمهما اخذ مالهما فلم یدع لهما مالا ولا ینکحان الابمال فقال یقضی اللّٰہ فی ذالک فنزلت آیة المیراث فارسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی عمهما فقال اعط ابنتی سعد الثلثین وامهما الثمن ومابقی فهولک رواه خمسة الانسائی وحسنه الترمذی " ۔ اس حدیث شریف کے بعد کون بیٹیوں کو بیٹوں کی غیر موجودگی میں عصبہ کہہ سکتا ہے۔ اگر غامدی صاحب کہہ دیں کہ مجھے اس حدیث شریف کا پتہ نہیں تھا تو اسی مفہوم کی اس سے ملتی جلتی دوسری حدیث شریف امام جصاصؒ نے جن کا حوالہ موصوف نے دیا ہے بھی احکام القرآن میں اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھی ہے اگر کبھی غامدی اس کو بھی ذرا اطمینان سے دوبارہ پڑھ لیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ غامدی صاحب کی عربی دانی مسلم لیکن اس کو شاید یہ پتہ ہوگا کہ جن فقہاء نے اس کی اجمالی تشریح کی ہے وہ بھی عرب تھے تو ایک طرف اگر صحابہ کرامؓ اور آئمہ اربعہ ہوں اور دوسری طرف غامدی صاحب تو لوگ کس کے قول سے دلیل پکڑیں گے ظاہر

ہے باقی عرب و عجم نے اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا ہے کہ بیٹیاں نر اولاد کی موجودگی میں ذوی الفروض ہیں تو لوگ اس کو ہی دلیل کے طور پر پکڑیں گے ۔ یہ تو نقلی تحقیق تھی جو پیش کی گئی جس میں غامدی صاحب جیسے ذہین کے لئے رجوع کرنے کا کافی سامان موجود ہے لیکن عربی زبان کے طور پر بھی ایک عام آدمی اگر اس کو روانی سے پڑھے گا تو اس کا وہی مفہوم لے گا جو سب نے لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے ہیں اولاد کے بارے میں کہ ان میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم ہو ۔ چونکہ اس میں ذکور اور اناث دونوں کا ذکر ہے اس لئے یہ تو عام قانون ہوا یعنی ذکور اور اناث کی موجودگی میں اس پر عمل کیا جائے لیکن جب عورتیں مردوں کے بغیر ہوں تو یہ اس عام قانون سے استثناء ہوا اس لئے فان کن نسأ ۔ بمعنی استثنیٰ آگیا یعنی جس وقت صرف عورتیں ہوں تو ان کے لئے کل ترکے کا دوتہائی ہوگا اس سے ان کا ذوی الفروض ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ ثلثا ماترک فرمایا گیا یعنی میت جو ترکہ چھوڑ مرا ہے اس کا دوتہائی ورنہ یہاں ثلثا مالقی فرمادیتے یا اس مفہوم کے اور الفاظ ہوتے ۔ یہاں پہلا فقرہ تمام ہوجاتا ہے تب ہی تو اس کے بعد اہل عجم کو سمجھانے کے لئے وقف مطلق کی علامت کے طور پر چھوٹی " ط " لکھا جاتا ہے اس کے بعد جو بیان ہے وہ دوسرے ذوی الفروض کے بارے میں ہے کیونکہ اس کے ساتھ پھر مماترک آیا ہے اب نہ معلوم غامدی صاحب کس قاعدے سے اوپر کے فقرے کو اگلے کے ساتھ خلط کرتے ہیں ۔ اب یہاں تک قانون صرف اولاد کی موجودگی کا بتایا جارہا تھا اس کے بعد دوسرا قانون بتایا جاتا ہے جس میں

" ولابویہ لکل واحد منھما السدس مماترک ان کان لہ ولد " میں ماں باپ کا حصہ بطور فرض ذکر ہے پس اگر یہ ولد بمعنی اولاد ذکور اور اناث موجود ہوتو ابوین کو اپنا فرض دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس کو اولاد میں پہلے قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور وہ پہلا قاعدہ پہلے کی طرح پھر دو حصوں پر مشتمل ہوگا جس میں پہلے حصے کے مطابق اگر اولاد ذکور اور اناث دونوں موجود ہوتو ان کو باقی بچا ہوا ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق حصہ دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں ان کے حصے کا تعین نہیں کیا گیا بلکہ ان کے لئے للذکر مثل الانثیین کا قانون بتایا ہے جس پر عمل تب ہی ہوسکتا ہے جب ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اس میں سے ان کو حسب قاعدہ مذکورہ دیا جائے ۔ لیکن اگر صرف اناث ہوں تو اسی قانون کے آخری حصے کے مطابق اناث کو اگر ایک سے زیادہ ہوں اپنا فرض یعنی کل مال کا دوتہائی دیا جائے اور اکیلی بیٹی ہونے کے صورت میں اس کو کل مال کا نصف دیا جائے گا کیونکہ یہاں ان کا حصہ کل مال میں بتایا گیا ہے جس کی نشاندہی ماترک سے ہوتی ہے ۔ اب اولاد میں صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ

ہے کہ ان میں صرف ذکور ہوں تو ان کو حصہ کیسے دیا جائے گا تو اگر چہ اس کا یہاں حکم محذوف ہے لیکن ایک متفق علیہ حدیث شریف میں اس کا حکم یہ آیا ہے کہ ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد باقی سارا پہلے مرد (عصبہ) کو دو اور اس پر اجماع ہے کہ بیٹا موجود ہو تو میت کے لئے اس سے قریب اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے اس لئے اس کو وہ باقی ترکہ کل کا کل اس کو ملے گا۔ یہ تو ہے حدیث شریف کا فیصلہ اور ہم سب کے لئے اس کو کافی ہونا چاہئیے لیکن امام جصاصؒ نے کمال ذہانت سے قرآن سے بھی اس کی توجیہ ثابت فرمائی ہے اور وہ یوں کہ جیسے اکیلی بیٹی کو نصف دیا جارہا ہے اور مردوں کو عورتوں کا دگنا دیا جائے تو عقلاً اکیلے مرد کے لئے کل ترکہ ہونا چاہئیے اور دوسرے ذوی الفروض موجود ہوں تو ان کی موجودگی میں اس کو باقی ترکے کا کل دیا جائے گا۔ اب ایک اور صورت ہے جس کا حکم غامدی صاحب کو بھی خود بخود سمجھ میں آنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ بیٹے اگر ایک سے زیادہ ہو تو سب کو کل کیسے دیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ چونکہ سب کا استحقاق برابر ہے اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں اس لئے وہ باقی مال ان سب میں برابر برابر تقسیم کیا جائیگا۔ آیت کا صحیح مدعا یہی ہے جو شخص بھی ولابویہ میں حرف " و" اور " فان کن نساء " میں حرف " ف" کی دلالت کو سمجھتے ہوئے پڑھے گا۔ کلام کا یہ مدعا بغیر تکلف کے اس پر واضح ہوجائے گا۔ ہمارے فقہاء اس کو سمجھنے سے قاصر رہے چنانچہ وہ لڑکیوں کو پورے ترکے کا دو تہائی دلوانا چاہتے ہیں۔ بندہ کے خیال میں غامدی صاحب کو یہ برادرانہ مشورہ ہرگز مناسب نہیں ہوگا کہ غامدی صاحب فقہاء کے ساتھ زیادہ بے تکلفی نہ برتیں کیونکہ ہم ان کے برابر ہرگز نہیں۔ اب ہمیں تو تکلف سے بھی اس کا مطلب وہ سمجھ میں نہیں آیا جو غامدی صاحب لینا چاہتے ہیں اور غامدی صاحب کو ایسا سمجھ میں آیا ہے کہ اس کے لئے فقہاء سے اجماع اور سنت رسولؐ سے بھی اعراض کی جسارت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی جسارت سے بچائے اور غامدی صاحب کو بھی اس ابتلاء سے نکالے۔ آخر سب غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی کو کیونکہ دوسرے کیمپ میں سمجھتے اس لئے کہ وہ قرآن کے اس تشریح کے منکر ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کیا ہے۔ اگر فیصلہ صرف عربی دانی پر ہونے لگے تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ آگے غامدی صاحب ایک اور جسارت کر گزرتے ہیں کہ عول سے بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ عول پر بھی اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ صفحہ نمبر 62 پر رقمطراز ہے کہ " لیکن ہمارے ان فقہاء سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے " فان کن نساء فوق الثنتین کو " ولابویہ " کی طرح اپنے مقام پر مستقل مانا اور پھر 1/2 کو 1/3 اور 1/4 میں جمع کرنے کے درپے ہوئے "۔ اب غامدی صاحب خیال فرمائیں کہ ان فقہاء میں

اس وقت کون تھے ۔ حضرت عباسؓ ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرامؓ ۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس کا انکار فرمایا لیکن باقی صحابہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے صاف فرمایا کہ آپ کی وہ رائے جو جماعت کے ساتھ تھی وہ ہمیں آپکی اس رائے سے جو جماعت کے خلاف ہے زیادہ مقبول ہے پس جماع ایسی عظیم الشان دلیل ہوتی ہے کہ اس کیلئے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کو بھی قبول کرنے سے صحابہؓ نے عذر کیا ہے اس طرح اس کے بعد پھر اس پر اجماع قائم ہوگیا ۔ اب اگر اس پر اجماع نہ بھی ہوتا تو صحابہؓ کی اس جم غفیر کا ایسا مذاق اڑانے کی اجازت تو شاید کسی محقق کو نہیں دی جاسکتی ۔ امام جصاصؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا احتلافی نوٹ بیان کرنے کے بعد اجماع کی کیسی زبردست تائید کی اور اس تائید میں بہت تیز لہجہ اختیار فرمایا حتیٰ کہ حضرت امامؒ نے

یوصیکم اللّٰہ فی لولادکم للذکر مثل حظ الانثیین سے ہی عول کا ثبوت پیش کیا جو حضرت کی جلالت شان اور اعلیٰ قرآن فہمی پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرتؒ لکھتے ہیں " قال اللّٰہ تعالیٰ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین فلو ترک المیت الف درھم وعلیہ الدین لرجل الف درھم ولآخر خمس مائۃ ولآخر الف کانت الالف الترکہ مقسومۃ بینھم فی قدر دیونھم ولیس یجوز ان یقال لمالم یمکن استیفاء الفین وخمس مائۃ من الف استحال الضرب بھا وکذالک لو اوصی رجل بثلث مالہ وبسدسہ لآخر ولم تجز ذالک الورثۃ تضارباً فی الثلث بقدر وصیاھم فیضرب احدھما بالسدس ولآخر بالثلث مع استحالۃ استیفاء النصف من الثلث وکذالک للابن یستحق للابن جمیع المال لوانفرد وللبنت النصف لوانفر دت فاذا اجتمعا ضرب للابن بجمیع المال والبنت بالنصف فیکون المال بینھما اثلاثاً وھکذا سبیل العول فی الفرائض عند تدافع السھام واللّٰہ اعلم ۔ " یعنی عول کو ثابت کرنے کیلئے امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین " یعنی وصیت کی اجراء اور قرض کی ادائیگی کے بعد پس اگر کسی میت نے ایک ہزار درہم ترکہ چھوڑا ہو اور اس پر ایک شخص کا 1000 روپے قرض ، دوسرے کا پانچ سو روپے اور تیسرے کا بھی 1000 روپے ہو تو ان سب کو ان کے قرضوں کے تناسب سے ادائیگی کی جائے گی ۔ اس طرح اگر میت ایک شخص کے لئے ایک تہائی کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی وصیت کرے تو ان میں سے پہلے کو 2/9 اور دوسرے کو 1/9 دیا جائے گا چونکہ ان دونوں میں وہی نسبت ہے جو ان کسور میں ہے جن کی وصیت کی گئی ہے

اور ان دونوں کو مجموعہ 1/3 ہے جس کی زیادہ سے زیادہ وصیت کی جاتی ہے۔ حضرت امامؒ نے ایک مثال قرآن سے دی ہے اور وہ یہ کہ بیٹی کا حصہ اگر اکیلی ہو تو نصف ہوتا ہے اور بیٹے کا حصہ بیٹی کا ڈبل ہوتا ہے پس اگر بیٹا اکیلا ہو تو اس کو کل ملنا چاہیئے پس اگر دونوں موجود ہوں تو ان دونوں کا مجموعہ 3/2 ہوگیا جو کہ نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کو 1 بنانے کے لئے 2/3 سے ضرب دی پس ان دونوں کے حصوں کو 2/3 سے ضرب دینا پڑے گی اور بیٹی کو 1/3، بیٹے کو 2/3 دینا پڑے گا۔ بعینہ یہی طریقہ عول میں کرنا پڑتا ہے کہ ذوی الفروض کے حصص کا مجموعہ جب اصل سے بڑھ جائے تو ان میں ان حصص کے تناسب سے کمی کی جاتی ہے۔ پس امام جصاصؒ تو عول پر اتنے عمدہ دلائل دے رہے ہیں اور جناب غامدی صاحب ان کو عول کی مخالفت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کاش غامدی صاحب امام جصاصؒ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے باوجود اپنی رائے کے مخالف ہونے کے حضرت ابن عباسؓ کا اختلافی پورا بیان فرمایا جس کے بعد اپنی تشریح تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی جو محققین کا طرہ امتیاز ہے، لیکن غامدی صاحب نے ان سے حضرت ابن عباسؓ کا نوٹ تو لیتے ہیں لیکن ان کی اپنی تحقیق سے جس کے لئے وہ ساری تمہید باندھی گئی تھی صرف نظر کرتے ہیں۔ کاش غامدی صاحب ابن عباسؓ کا قول آثار صحابہ سے براہ راست بیان کرتے تو اس میں کسی قاری کو یہ کوفت تو نہ ہوتی کہ غامدی صاحب امام جصاصؒ جیسے محقق کے ساتھ ناانصافی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ ویسے اس کو ناانصافی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے صرف یہی فقرے پڑھے تھے جو لکھے تھے اور اس سے پہلے اور بعد میں کچھ بھی نہیں پڑھا تھا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسا ہی ہوا تو پھر تو کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ غامدی صاحب تو صرف وہ بات پڑھتے ہیں جس سے اس کی رائے ثابت ہوتی ہو بیشک اس کے لئے اس کو دوسروں کی تحریروں میں تصرف کرنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ غامدی صاحب نے اگرچہ رد کا بھی انکار کیا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی اس لئے اس پر سوائے افسوس کے کیا ہوسکتا ہے۔ کاش غامدی صاحب ایسی باتوں کو جن پر اتفاق ہوچکا ہے نہ چھیڑتے۔ کیا دین کی خدمت فقہ کی ان چار ستونوں قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد کے ذریعے ممکن نہیں۔ ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو لیکن مجھے تو یہ لگتا ہے کہ شاید غامدی صاحب اجماع کے ہوتے ہوئے بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ خدانخواستہ اگر ایسی بات ہے تو شاید ہمیں ایک جدید غلام احمد پرویز کے مقابلے کیلئے تیار ہونا پڑے گا۔ رد کے بارے میں ان کی معلومات کے لئے عرض کروں کہ رد پر سوائے حضرت زید بن ثابت باقی تمام صحابہ کرامؓ متفق ہیں اور مالکیہ اور شوافع نے اس میں حضرت زید بن ثابت کی رائے کے مطابق رد کی بجائے بیت المال

بقیہ صفحہ 43 پر ۔۔۔